عہد نبوی کے غزوات و سرایا
اور
ان کے مآخذ پر ایک نظر

(۱۴)

سعید احمد اکبر آبادی

مسلمانوں کا اقتصادی بائیکاٹ

یہود مالدار اور کاروباری لوگ تھے، اس لئے مسلمانوں کا بھی ان سے لین دین تھا۔ عام خرید و فروخت کے علاوہ مسلمان یہود سے روپیہ قرض لیتے اور ان کے پاس اپنی امانتیں بھی رکھتے تھے، غزوۂ بدر کے بعد انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی دشمنی میں جو اقدامات کئے ان میں ایک مسلمانوں کا اقتصادی اور معاشی مقاطعہ بھی تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ یہود کے پاس مسلمانوں کی جو امانتیں رکھی تھیں یا ان کے ذمہ مسلمانوں کا جو قرض روپیہ تھا۔ یا یہ خود مسلمانوں کو جو روپیہ ادھار پر دیتے تھے، یہ سب انھوں نے ترک کر دیا۔ اور باہم عہد کیا کہ اب وہ آئندہ نہ مسلمانوں کا قرض ادا کریں گے اور نہ ان کی امانتیں واپس کریں گے۔ منافقین برادر گرگ شغال کے مصداق ان کے ہم مشرب وہم مسلک تھے ہی ان کو بھی اس پر آمادہ کیا کہ وہ لوگوں میں مسلمانوں کے اقتصادی مقاطعہ کا پروپگنڈا کریں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ — یہی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے اردگرد

عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَنْفَضُّوْا۔ جو لوگ جمع ہیں (یعنی مسلمان) ان پر تم خرچ نہ
(المنافقون) کرو تا آنکہ یہ منتشر ہوں۔

خاص یہود سے متعلق اس سلسلہ میں فرمایا گیا:

ومن اھلِ الکتاب من ان تامنہ بقنطار یؤدہ الیک الا مادمت علیہ قائما ذالک بانھم قالوا: لیس علینا فی الامیین سبیل، ویقولون علی اللہ الکذب وھم یعلمون ○

(آل عمران)

اہل کتاب میں بعض وہ لوگ ہیں کہ اگر آپ سونے کا ایک توڑا بھی ان کے پاس امانت رکھیں تو وہ اس امانت کو واپس کر دیں گے اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر ایک اشرفی بھی ان کے پاس بہ طور امانت رکھیں تو وہ اس کو اس وقت تک آپ کے حوالہ نہیں کریں گے جب تک آپ ہر وقت ان کے سر پر کھڑے نہ رہیں گے، ان کی یہ حرکات اس لئے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں: ہم پر تو امیوں کا کوئی بس چلتا نہیں ہے اور یہ لوگ اللہ پر افترا اور بہتان باندھتے ہیں حالانکہ وہ خود جانتے ہیں

لہ یہود اور منافقین آئے دن جلی کٹی باتیں کرتے رہتے تھے جو سخت اشتعال انگیز ہوتی تھیں لیکن قرآن کی زبان اور انداز بیان کا ایک وصف امتیازی یہ بھی ہے کہ جب اس نے یہود اور منافقین کی کسی بات کا جواب دیا ہے تو اس میں تین چیزوں کا لحاظ لازمی طور پر رکھا ہے،

(۱) ایک یہ کہ کسی کا نام نہیں لیا (۲) دوسرے یہ کہ اس میں دینی پہلو کو ضرور نمایاں کیا گیا ہے، اور (۳) تیسرے یہ کہ لب و لہجہ نہایت معتدل اور متین و سنجیدہ رہا ہے، چنانچہ اس موقع پر بھی دیکھئے، منافقین کی اس سخت بات کے جواب میں قرآن کا جواب کس درجہ ٹھنڈا، متین مگر عبرت آموز ہے، فرمایا گیا:

(باقی اگلے صفحہ پر)

مفسرین اس آیت کا سبب نزول یہ بتاتے ہیں کہ یہود کا عربوں کے ساتھ لین دین تھا۔ جب عربوں میں اسلام پھیلنا شروع ہوا تو یہود نے آپس میں کہا کہ مسلمان عربوں کی جو رقمیں تم پر واجب الادا ہیں یا ان کی جو امانتیں تمھارے پاس رکھی ہوئی ہیں اب ان کو واپس نہ کرنا۔ کیونکہ اب ان لوگوں نے مسلمان ہوکر اپنا یہ حق کھو دیا اور مزید برآں کہا کہ توراۃ میں بھی یہی ہے[1]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ

اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہود کی سخت معاندانہ اور مخالفانہ سرگرمیوں کو اس توقع پر نظر انداز کرتے رہے تھے کہ شاید وہ راہ راست پر آجائیں۔ لیکن غزوۂ بدر کے بعد مزید مسامحت اور چشم پوشی کرنا ممکن نہ تھا، کیونکہ غزوۂ بدر میں عظیم الشان فتح نہ صرف عرب بلکہ پوری دنیا ئے کفروشرک کے لئے ایک عظیم چیلنج تھی، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین تھا کہ غزوۂ بدر آخری جنگ نہیں ہے، بلکہ اس کے بعد اور اس سے بھی بڑی اور سخت تر جنگوں سے سابقہ پڑے گا، اس حالت میں اگر اندرون مدینہ یہود اپنی باغیانہ سرگرمیوں کے ساتھ آزاد اور قائم رہے تو وہ مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہونچا سکتے ہیں، اس لئے ضروری تھا کہ دوسری جنگوں کے شروع ہونے سے پہلے یہود کے معاملہ سے نمٹ لیا جائے۔

بنو قینقاع

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، مدینہ اور اس کے گردونواح میں یہود کے چھوٹے بڑے متعدد قبائل آباد تھے، لیکن ان میں سب سے زیادہ بااثر،

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ — حالانکہ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا تو ہے، پھر بھی منافق سمجھتے نہیں ہیں۔

[1] تفسیر روح المعانی ج ۳ ص ۲۰۲ و تفسیر ابن جریر طبری و تفسیر قرطبی وغیرہ۔

طاقتور اور یہود کے سرخیل و سرغنہ تین قبیلے ہی تھے، بنو نضیر، بنو قریظہ، اور بنو قینقاع، اول الذکر دونوں قبیلے مدینہ کے بیرونی حصہ میں آباد تھے اور ان کے بڑے بڑے اور محفوظ قلعے تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے، لیکن بنو قینقاع کی پوزیشن ان دونوں سے مختلف تھی، یہ لوگ جن کی تعداد ۱۰۰۰ ایک ہزار کے لگ بھگ تھی وسط شہر میں رہتے تھے ان کے محلے مسلمانوں کے محلے سے ملے جلے تھے اور بعض محلوں میں آبادی مشترک تھی ان کا خاص پیشہ صنعت و حرفت اور تجارت تھی چنانچہ مدینہ کے ایک بازار کا نام ہی "سوق بنی قینقاع" یعنی "بنی قینقاع مارکیٹ" تھا۔ اس بنا پر دور اندیشی اور مصلحت شناسی کا تقاضا تھا کہ سب سے پہلے اس قبیلہ کی طرف توجہ کی جائے۔

علاوہ ازیں یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے جو معاہدہ کیا تھا اس کو توڑنے اور اس کی خلاف ورزی کرنے میں پیش پیش تھے۔ چنانچہ مورخین کا بیان ہے:

وکان اول من نقض العھد بینہ و بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغدر من یھود بنو قینقاع[1]	یہود کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو معاہدہ تھا اس کو یہود میں سب سے پہلے جس نے توڑا اور غداری کی وہ بنو قینقاع ہیں۔

یہ ابن اسحٰق کا بیان ہے جس کو ابن ہشام اور طبری نے بھی نقل کیا ہے۔ ابن سعد نے اس پر مزید اضافہ یہ کیا ہے:

فلما کانت وقعۃ بدر اظھروا البغی والحسد ونبذوا العھد	جب واقعۂ بدر ہو چکا تو قینقاع نے بغاوت اور حسد کا اظہار کیا اور عہد پس پشت ڈال دیا

---

[1] الدرر لابن عبد البر ص ۱۵۰

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر سے واپس تشریف لائے تو بنو قینقاع آپ کے پاس آئے اور بولے: محمد! تم نے اپنی قوم قریش کو میدانِ بدر میں شکست دے کر ان کی جوگت بنائی ہے تم اس پر مغرور نہ ہوجانا۔ کیونکہ انھیں لڑنا نہیں آتا، ہاں البتہ! خدا کی قسم! اگر تم نے ہم سے جنگ کی تو تم کو معلوم ہوجائے گا کہ ہم کون لوگ ہیں[1]۔ یہ روایت بھی ابن اسحٰق کی ہے جس کو ابن عبد البر نے نقل کیا ہے، لیکن عام روایت یہ ہے کہ آنے میں پہل بنو قینقاع نے نہیں کی تھی بلکہ غزوۂ بدر کے بعد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آبادی میں پہونچے، ان سب کو جمع کیا اور فرمایا: "اے بنو قینقاع! تم نے دیکھ لیا کہ بدر میں قریش کا انجام کیا ہوا! اب میں تم کو خبردار کرتا ہوں کہ تم اپنی سرگرمیوں سے باز آجاؤ اور میری اطاعت قبول کرلو۔ ورنہ تمھارا انجام بھی وہی ہوگا جو قریش کا ہوا۔" حضور کی اس تقریر کے جواب میں انھوں نے وہی بات کہی جو اوپر مذکور ہوچکی ہے[2]۔ ہمارے نزدیک یہی روایت زیادہ صحیح اور قرینِ قیاس ہے۔

اسی اثنار میں ایک اور واقعہ پیش آگیا جو اگرچہ معمولی ہے، لیکن انگریزی کا ایک مقولہ ہے کہ دنیا میں جتنی بڑی بڑی جنگیں ہوئی ہیں ان کا آغاز ایک معمولی واقعہ سے ہوا ہے، چنانچہ یہی واقعہ بنو قینقاع پر فوج کشی کا سبب ہوا۔ ہوا یہ کہ ایک مسلمان خاتون سوق بنی قینقاع گئی تھیں، وہاں ایک یہودی زرگر کی دکان پر نقاب پوش بیٹھی تھیں۔ یہود نے ان کی چہرہ کشائی کرنی چاہی، جب انھوں نے سختی کے ساتھ اس کی مقاومت کی تو زرگر نے ایسی ناشائستہ حرکت کی کہ عورت کا ستر کھل گیا، عورت نے شور مچایا اور چیخی تو مسلمان جمع ہوگئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے جنگ کا اعلان کیا اور بنو قینقاع

---

[1] الدرر لابن عبد البر ص ۱۵۰

[2] سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۵۰

پرچڑھائی کردی۔[1]

بنو قینقاع کو اپنی طاقت وقوت اور فن سپہ گری پر بڑا ناز تھا۔ لیکن اب لشکر اسلام کو حملہ آور دیکھا تو روبرو ہو کر لڑنے کی ہمت نہیں ہوئی اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ لشکر اسلام نے ان کا محاصرہ کرلیا، محاصرہ کو دو ہفتے ہوئے تھے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول جو رئیس المنافقین تھا اور چونکہ قبیلۂ خزرج بنو قینقاع کا حلیف تھا اور عبداللہ بھی خزرجی تھا اس لئے اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بنو قینقاع کے ساتھ حسن معاملہ کی سفارش کی لیکن آپ نے اس پر توجہ نہیں کی اور سنی ان سنی کردی، عبداللہ نے ازراہ استرحام اب آپ کی زرہ کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر اسی درخواست کا پھر اعادہ کیا۔ حضور نے فرمایا: "ارسلنی" تو مجھے چھوڑ دے، راوی کا بیان ہے کہ اس وقت حضور اس درجہ غضبناک تھے کہ چہرہ پر سیاہ چھائیاں نظر آرہی تھیں، اسی غصہ کے عالم میں آپ نے دوبارہ فرمایا: "بدبخت! پرے ہٹ!" عبداللہ بن ابی نے جواب دیا "خدا کی قسم! میں یہاں سے ہرگز نہیں ہٹوں گا جب تک آپ میری خاطر ان کی جان بخشی نہیں کردیں گے!" اس پہ ارشاد ہوا: "اچھا جا! تیری خاطر ان کی جان بخشی کی جاتی ہے" اور اب آپ نے ان کو جلا وطن کرنے کا حکم دیا، عورتوں اور مردوں سب کو ملاکر ان کی تعداد ایک ہزار تھی، شام کے علاقہ میں ایک مقام اذرعات تھا۔ ہتیاروں

---

[1] اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اسلام میں عورتوں کے ناموس اور ان کی حرمت وعزت کا کس درجہ پاس اور لحاظ ہے۔ چنانچہ سندھ پر محمد بن قاسم کی فوج کشی کا واقعہ بھی اسی طرح پیش آیا۔ مسلمانوں کا ایک قافلہ بحر ہند سے گذر رہا تھا کہ بحری ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے اس پر حملہ کیا اور ایک عورت کو گرفتار کرلیا، عورت نے خلیفۂ اسلام (ولید بن عبدالملک) کی دہائی دی جو خلیفہ تک پہونچ گئی خلیفہ نے سندھ کے حکمران راجہ داہر کو احتجاجی خط لکھا۔ جب اس کا جواب نہیں آیا تو محمد بن قاسم کی سرکردگی میں سندھ پر چڑھائی کردی، پھر اس کا جو نتیجہ ہوا سب کو معلوم ہے۔

کے سوا سب چیزیں لے جانے کی اجازت تھی، یہ لوگ وہاں جاکر آباد ہوگئے۔ غور کرنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، مسلمانوں اور اسلام کے اس قدر شدید دشمن اور فتنہ پرور! اور پھر مال ومتاع کے ساتھ اس طرح سلامتی کے ساتھ جلا وطن کیئے جاتے ہیں کہ ان کے نکسیر بھی نہیں پھوٹتی اور کسی ایک فرد کا بھی جانی نقصان نہیں ہوتا! کیا دنیا میں کسی ایک حکومت نے بھی اپنے باغیوں اور غداروں کے ساتھ حسنِ سلوک کا ایسا معاملہ کیا ہے؟ طبری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نگرانی اور تکمیل کے لئے ایک افسر بھی مقرر کر دیا تھا جن کا نام عبادۃ بن صامت تھا، یہ واقعہ غزوۂ بدر کے کچھ ہی دنوں بعد یعنی ماہ شوال ۲ھ میں پیش آیا۔ قرآن کی آیت ذیل اسی واقعہ سے متعلق ہے:

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ (الانفال)	اگر آپ کو کسی قوم کی طرف سے خیانت کا اندیشہ ہو تو ایسے کو تیسا کے قانون کے مطابق یہ خیانت انھیں کے سر دے ماریئے، اور اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

ایک تحقیق بنو قینقاع کا قصہ تو ختم ہوگیا، لیکن اس سلسلہ میں ایک لفظ کے معنی تحقیق طلب ہیں۔ تاریخ وسیر کی بعض کتابوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بنو قینقاع کے پاس گئے تو آپ نے فرمایا:

یامعشر یھود، احذروا من اللہ مثل ما نزل بقریش من النقمۃ واسلموا، فانکم قد عرفتم انی نبی مرسل، تجدون ذالك فی کتابکم وعھد اللہ الیکم (سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۵۰)	اے یہود کے ایک گروہ! قریش پر (غزوۂ بدر میں) جو افتاد پڑی ہے تم اللہ سے ڈرو کہ کہیں تم پر بھی نہ آپڑے، اور تم اطاعت قبول کرو، تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔ یہ بات اور اللہ نے تم سے جو عہد لیا ہے یہ سب تم اپنی کتاب میں پاتے ہو۔

کوتاہ بینوں نے اس ارشاد کا مطلب یہ لیا ہے کہ "پیغمبر اسلام نے بنو قینقاع کو دھمکی دی کہ اگر انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تو ان کا انجام وہی ہوگا جو قریش کا ہوا۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے" عیسائی مشنریز کا خصوصًا اور عام معترضین کا عمومًا یہ ایک مشہور اعتراض ہے، اس لئے ہم ذرا تفصیل سے اس پر گفتگو کریں گے۔

کیا اسلام تلوار سے پھیلا ہے

اس سلسلہ میں سب سے پہلے اس پر غور کرنا چاہیئے کہ اس معاملہ میں قرآن میں حکم کیا ہے؟ اس میں شک نہیں کہ قرآن سراپا دعوتِ اسلام ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض بعثت ہی دعوتِ اسلام ہے لیکن پورے قرآن میں کہیں ایک جگہ بھی صراحۃً واشارۃً یہ نہیں کہا گیا کہ جو لوگ اسلام قبول نہیں کرتے ان کے خلاف اعلان جنگ کر دینا چاہیئے۔ قرآن میں تفصیل کے ساتھ جنگ اور اس کے احکام کا تذکرہ اور اس سلسلہ میں ہدایات کا بیان ہے۔ لیکن جنگ کی بنیاد بجز اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے ساتھ دشمنی، ایذارسانی، غدر، خیانت اور شدید مخاصمانہ حرکات و اعمال کے کوئی اور چیز نہیں بتائی گئی، جہاں تک اسلام قبول نہ کرنے کا تعلق ہے تو ایک دو مرتبہ نہیں بار بار آنحضرت کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر لوگ آپ کی دعوت قبول نہ کریں تو آپ ان کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیجئے اور آپ صبر کیجئے[1] ایک جگہ فرمایا گیا:

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ	اگر لوگ آپ کی بات نہ مانیں تو آپ کہہ دیجئے کہ اللہ میرے لئے کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اس پر بھروسہ کیا ہے اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

---

[1] اس موضوع پر مضمون کی کسی ابتدائی قسط میں بھی گفتگو ہو چکی ہے، مگر بہت مختصر!

ایک مقام پر فرمایا گیا:

اِنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ، فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝ (الزمر)

ہم نے سچائی کے ساتھ لوگوں کے فائدہ کے لئے آپ پر قرآن اتارا ہے، تو اب جو کوئی ہدایت یافتہ ہوگا تو اپنے لئے ہوگا۔ اور جو گمراہ ہوگا وہ اپنے لئے ہوگا۔ اور اے پیغمبر! آپ ان لوگوں کے ٹھیکہ دار تو نہیں ہیں۔

ایک جگہ ارشاد ہوا:

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ (الزخرف)

(اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں) تو آپ ان سے درگزر فرمائیں اور کہدیں "سلام" یہ عنقریب جان جائیں گے۔

ایک اور مقام پر فرمایا گیا:

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ (الشوریٰ)

اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو ہم نے آپ کو ان کا نگراں تو بناکر نہیں بھیجا ہے آپ کا فرض تو بس پہونچانا ہے۔

بہرحال یہ اور اسی جیسی اور متعدد آیات سے یہ بالکل صاف ظاہر اور ثابت ہے کہ اسلام قبول نہ کرنے پر نہ صرف یہ کہ جنگ کرنے کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ ایسے مواقع پر حکم یہ ہے کہ آپ صبر کریں، چشم پوشی اور درگذر سے کام لیں بلکہ یہاں تک حکم دیا گیا کہ اس پر آپ غصہ کا بھی اظہار نہ کریں اور منکرین سے سخت اور درشت لب ولہجہ سے بات بھی نہ کریں "وقل سلامٌ"

پس جب حکم یہ ہے تو بنو قینقاع کے ساتھ گفتگو کرتے وقت آپ کے لئے یہ کہنا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ "تم اسلام قبول کرلو، ورنہ قریش کا جو حشر ہوا ہے تمہارا بھی ہوگا۔"

اسلموا کے معنی

اچھا اگر "اسلموا" کے معنی یہ نہیں تو پھر کیا ہیں؟ اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی ہے وہاں ہمیشہ آمِنُوا "تم ایمان لاؤ" فرمایا گیا ہے، کوئی ایک موقع بھی ایسا نہیں ہے کہ "اسلموا" بصیغۂ امر "اسلام قبول کرلو" کے معنی میں بولا گیا ہو۔ اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ قرآن سے ثابت ہے کہ ایمان اور اسلام میں عام خاص کی نسبت ہے، ایمان خاص اور اسلام عام! اس بنا پر جہاں کہیں ایمان ہوگا اسلام ضرور ہوگا۔ لیکن اسلام کے ساتھ ایمان کا ہونا ضروری نہیں ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ آمَنَّا ط قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلٰكِنْ قُولُوْا: اَسْلَمْنَا، وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ط (الحجرات)

دیہاتی عرب کہتے ہیں: "ہم ایمان لائے ہیں" اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے ہو "ہاں البتہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہوگئے ہیں" اور ایمان کا تو اب تک تمہارے دلوں میں گذر بھی نہیں ہوا۔

قرآن کی اس آیت سے ایمان اور اسلام میں جو فرق ہے اس کی تائید صحیح مسلم کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں اس کا ذکر ہے کہ ایک اعرابی خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے آپ سے اسلام اور ایمان اور احسان کی حقیقت الگ الگ دریافت کی، پس جب ایمان اور اسلام دونوں لفظ ہم معنی نہیں اور اسلام کا اقرار کرلینے سے مومن ہوجانا لازم نہیں آتا جو عین مطلوب و مقصود شریعت ہے تو پھر ظاہر ہے طلب ایمان کے موقع پر قرآن "اسلموا" کا لفظ کیونکر بول سکتا تھا۔

صیغۂ امر اور صیغۂ ماضی یا صیغۂ اسم فاعل کے ساتھ قرآن مجید میں اسلام سے مشتق ہوکر جو لفظ آئے ہیں اطاعت اور فرماں برداری کے معنی میں آئے ہیں۔ مثلاً اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ: اَسْلِمْ قَالَ: اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (البقرہ) جب اس کے پروردگار نے اس سے کہا:

کہ تو اطاعت قبول کر تو اس نے کہا: میں نے رب العلمین کی اطاعت قبول کی ، ونحن لہ مسلمون (البقرہ) ہم اسی کی اطاعت کرنے والے ہیں "فلما اسلما" جب دونوں (حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل) اطاعت بجالائے وغیرہ وغیرہ! لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ احادیث میں بھی "اسلموا" بصیغۂ امر "اسلام قبول کرو" کے معنی میں کہیں مستعمل نہیں ہوا ہے، نہیں! ہوا ہے اور ضرور ہوا ہے، البتہ "اطاعت قبول کرو" کے معنی میں بھی اس کا استعمال عام رہا ہے،

اس بناپر معنی کا تعین سیاق وسباق اور قرینہ کی روشنی میں ہوگا۔ اب بنو قینقاع سے گفتگو کا ماحول دیکھئے تو صاف معلوم ہوگا کہ حضورؐ نے یہاں "اسلموا" کا لفظ "اطاعت کرو" کے معنی میں استعمال کیا ہے نہ کہ مذہب اسلام کو اختیار کر لینے کے معنی میں، اس بنا پر اب آپ کے پورے ارشاد کا مطلب یہ ہوا: کہ تم لوگ نقض عہد کرکے جو غدر اور خیانت کے اعمال وافعال کا ارتکاب کر رہے ہو تو میں تم کو متنبہ کرتا ہوں کہ ان سے باز آجاؤ اور میری اطاعت قبول کرلو۔ (یعنی پرامن شہریوں کی طرح رہو) اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو قریش کا انجام تمہارے سامنے ہی ہے، اس سے تم کو سبق لینا چاہیئے، پھر کلام میں مزید قوت پیدا کرنے کے لئے فرمایا: تم یہ نہ سمجھنا کہ قریش پر میری فتح صرف بخت و اتفاق کا نتیجہ ہے، نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ یہ اس لئے ہے کہ میں نبی مرسل ہوں اور خود تمہاری کتاب توراۃ میں مذکور ہوں۔

کعب بن اشرف کا قتل بنو قینقاع سے مطمئن ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اشخاص و افراد کی طرف توجہ کی جو شخصی طور پر قبیلہ قبیلہ میں اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سخت پروپگنڈا کر رہے اور حضور کی طرف سے تنبیہ کے باوجود اپنی حرکات سے باز نہیں آرہے تھے، اور آخر آپ نے ان افراد کو واجب القتل قرار دیا۔ ان لوگوں میں سب سے ممتاز اور نمایاں کعب بن اشرف تھا۔ جس کا مختصر حال ابھی گذر چکا ہے، چونکہ یہ اپنے قبیلہ میں بڑا بارسوخ و اثر تھا اس لئے اس کا قتل کر دینا آسان نہیں تھا، محمد بن مسلمہ جو قبیلۂ عبد الاشہل کی شاخ حارثہ سے تعلق رکھتے اور کعب بن اشرف کے

دودھ شریک بھائی تھے انھوں نے اس کارِ خطیر کو انجام دینے کی پیش کش کی اور حضورؐ نے اسے قبول فرمالیا۔ محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھ تین آدمیوں کو اور شریک کیا جن میں ایک ابو نائلہ بھی تھے جو محمد بن مسلمہ کی طرح قبیلۂ عبدالاشہل سے تعلق رکھتے اور کعب بن اشرف کے دودھ شریک بھائی بھی تھے۔ محمد بن مسلمہ جب روانہ ہونے لگے تو عرض کیا: حضورؐ! اس کام سے عہدہ برآ ہونے میں کچھ جلنن بھی کرنا ہوگا! ارشاد گرامی ہوا: "تمھیں اجازت ہے" چنانچہ یہ رات کے وقت جبکہ چاندنی چٹکی ہوئی تھی کعب بن اشرف کی گڑھی پہونچے، کعب اپنی نئی دلہن کے ساتھ دادِ عیش دے رہا تھا۔ اسے آواز دے کر باہر بلایا۔ کچھ دور اسے ساتھ لے کر چلے، تقریب ملاقات یہ بتائی کہ مدینہ میں نئی سیاسی صورت حال کے باعث اناج کا بڑا کال ہو گیا ہے، اور اس کی وجہ سے سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑرہا ہے، اس لئے وہ غلہ کی امداد لینے آئے ہیں۔ کعب اسلحہ کے گروی رکھنے کے بدلہ میں اس پر راضی ہو گیا، اس گفت وشنید میں کعب ان لوگوں کے ساتھ مکان سے ذرا فاصلہ پر رہا۔ اسی اثنا رمیں محمد بن مسلمہ اور ان کے ساتھیوں نے موقع پا کر اس کا کام تمام کر دیا اور جھٹ آ بارگاہ نبوی میں اس کی اطلاع کی۔ ان لوگوں نے جس جی داری اور ہمت وجرأت کا مظاہرہ کیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کی داد دی، اس واقعہ نے یہود میں دہشت پھیلا دی، اب ان میں سے ہر شخص کو اپنا انجام نظر آرہا تھا اور لرزہ بر اندام تھا[1]۔ یہ واقعہ ۱۴ ربیع الاول ۳ھ کو پیش آیا۔

کعب بن اشرف ایک رومانوی شخصیت کا انسان تھا اس لئے بعض مورخین سیرت نے

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۳ ص ۵۴—۶۰ یہ واقعہ صحیح بخاری میں مغازی کے تحت مفصل طور پر مذکور ہے اور صحیح مسلم، سنن ابی داؤد۔ مسند امام احمد بن حنبل میں بھی اس کا تذکرہ ہے، کتب حدیث کے علاوہ تاریخ وسیر اور شعر وادب کی کتابوں میں بھی کعب بن اشرف اور اس کے اشعار کا ذکر موجود ہے۔

اُس کے حالات اور اُس کے قتل کا واقعہ لکھنے میں افسانہ طرازی سے کام لیا ہے اور محمد بن مسلمہ نے اپنے مشن پر روانہ ہونے سے پہلے حضورؐ سے "جھتن" کرنے کی جو اجازت لی تھی اس کی عجیب وغریب تشریح کی ہے، ہم یہاں اس کو نقل کرنا بھی پسند نہیں کرتے، البتہ یہ گذارش کرنا ضروری ہے کہ کعب بن اشرف کے قتل کا جو واقعہ ہم نے لکھا ہے، بعینہ یہی واقعہ پروفیسر واٹ منٹگمری نے لکھا ہے (محمد ان مدینہ ص ۲۱۰) اس سے ان مسلمان مورخین کو عبرت ہونی چاہیئے جو معروضیت کے شوق میں ان روایتوں کے نقل کرنے میں بھی تامل نہیں کرتے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت پر حرف آتا ہو، اگرچہ یہ روایات روایت اور درایت کے اعتبار سے کیسی ہی مجروح اور ناقابل اعتماد ہوں۔

فہم قرآن

مؤلفہ: مولانا سعید احمد اکبرآبادی ایم اے

قرآن مجید کے آسان ہونے کے کیا معنی ہیں؟ اور قرآن پاک کا صحیح منشار معلوم کرنے کے لئے شارع علیہ السلام کے اقوال و افعال کو معلوم کرنا کیوں ضروری ہے؟ احادیث کی تدوین کس طرح ہوئی؟ کثرت سے روایت کرنے والے صحابہ مثلاً حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے سوانح حیات اور محدثین کرام کی بے لوث خدمات علم ومذہب کو بھی فکر انگیز پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔

صفحات ۲۰۰ قیمت مجلد

ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۶